مولانا احمد اللہ شاہ مدراسیؒ

عقل و سیاست، فوجی قوت، مال و دولت اور منظم اقتدار و شوکت وغیرہ کے یکجا ہونے کا نام حکومت ہے۔ یہ بڑی بے وفا ہوتی ہے۔ کسی فرد یا قوم کے پاس ہمیشہ نہیں رہتی۔ آج اس کے پاس ہے تو کل اس کے پاس۔ وتلك الايام نداولها بين الناس۔ لیکن حکومت ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں دفعۃً یا بلاوجہ نہیں چلی جاتی بلکہ اس کے کچھ اسباب و علل ہوتے ہیں جو مدتوں میں مکمل ہوتے ہیں۔ کسی حکومت کے قیام کا اصلی محرک کوئی مقصد یا نصب العین ہوتا ہے۔ جس کی بدولت کوئی قوم نئے ولولوں، پائدار جذبات اور غیر معمولی جوش و خروش کے ساتھ اٹھتی ہے اور اپنی حکومت قائم کر لیتی ہے۔ پھر ایک میعاد کے بعد رفتہ رفتہ اس قوم کی امنگوں میں سستی اور کرداریں آہستہ آہستہ کمزوری، بے دلی اور مقصد سے دوری پیدا ہو جاتی ہے۔ ادھر کمزوری آتی ہے اور ادھر کسی قوم میں نئی امنگیں اور نئی قوتیں پیدا ہونے لگتی ہیں۔ اور دونوں میں ٹکراؤ ہوتا ہے۔ پھر جس میں اپنے نصب العین کی زیادہ لگن ہو، زیادہ جد و جہد ہو، زیادہ حکمت و استقامت ہو وہ غالب آجاتی ہے۔ لیکن مغلوب حکومت کے اثرات فوراً کبھی ختم نہیں ہوتے، کیونکہ انسانی فطرت ایک نئے نظام زندگی کو، نئے طرزِ حکومت کو اور نئے تصورات کو فوراً قبول نہیں کرتی۔ اس لئے مغلوب ہونے کے بعد بھی اس میں دم خم رہتا ہے۔ اور موقعے موقعے سے وہ مقابلہ کرتی رہتی ہے کیونکہ اسے اپنے قدیم نظام زندگی سے، خواہ اس میں کتنا ہی اضمحلال آگیا ہو محبت ہوتی ہے۔ اور نئے نظامِ زندگی کو وہ اپنے لئے بجا طور پر خطرہ سمجھتی ہے۔

مسلمانوں نے متحدہ ہندوستان پر کم و بیش آٹھ سو سال حکومت کی اور یہ حکومت اگرچہ سو فی صدی اسلامی نہ تھی، لیکن عدل، رعایا پروری، امن و امان اور دوسری اقدار کے جو اعلیٰ نمونے اس نے پیش کئے اس کے اثرات ایک دو دن میں نہ مٹ سکتے تھے۔ بلاشبہ آخری دور میں خصوصاً شاہنشاہ اورنگ زیب کے بعد بہت سی کمزوریاں پیدا ہو گئی تھیں لیکن پھر بھی اس کے گذشتہ اقدار کے اثرات باقی تھے۔ نقوش دھندلے تو ہو گئے مگر مٹے نہیں تھے۔ اس کی عظمت کا سکہ ہنوز چل رہا تھا۔ مسلمان قوم میں فقط اس قومی حکومت ہی کی محبت نہ تھی بلکہ وہ یہ سمجھتی تھی کہ اسلام کا جو کچھ تھوڑا بہت وقار باقی ہے وہ اسی ٹمٹماتے چراغ کی وجہ سے ہے۔ اگر یہ چراغ بھی گل ہو گیا تو رہا سہا وقار بھی ملیامیٹ کر دیا جائے گا۔ مسلمانوں کے علاوہ دوسری بڑی اکثریت والی قوم یعنی ہندوؤں کے روابط بھی مسلمان حکمراں قوم سے اس لئے اچھے تھے کہ ہندوؤں کے تمام حقوق حکمراں قوم ہی کی وجہ سے محفوظ تھے اور انہیں بھی یقین تھا کہ اگر مسلمانوں کی حکومت کسی نئی بیرونی قوم کے

ہاتھوں ختم ہوگئی تو ایک دن خود ان کے حقوق بھی ختم کر دیئے جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندو قوم کے اکثر افراد نے بھی مسلمانوں کی حاکمانہ عظمت کو برقرار رکھنے میں مسلمانوں کا ساتھ دیا۔

یہ زمانہ تھا مغلیہ حکومت کے آخری تاجدار سراج الدین ابو ظفر بہادر شاہ ظفر کا۔ انگریز قوم تجارت کے بہانے تقریباً ڈھائی صدی پیشتر ہندوستان میں داخل ہو چکی تھی اور اپنا اثر و رسوخ کئی طریقوں سے بڑھاتی جا رہی تھی۔ دوسری طرف مسلمانوں کی حاکمانہ کمزوریوں کو بھی بھانپ رہی تھی۔ انگریز قوم ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام سے اپنا اثر و رسوخ بڑھاتے بڑھاتے اپنا حاکمانہ اقتدار پیدا کر چکی تھی اور نہ صرف مسلمان حکومت کو بلکہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو بھی ختم کرنے لگی تھی۔ لارڈ ڈلہوزی کی پالیسی نے ستارا۔ پونا اور چیت پور کی ریاستیں ضبط کر لیں۔ ملک کے معززین کو ذلیل کیا۔ اہلِ ہند کو عیسائی بنانے کے لئے چاپلوسی اور جبر دونوں سے کام لیا۔ علوم قدیمہ کو مٹانے کی کوشش کی۔ انگریزی کو رائج کرنے کے لئے کئی طریقے اختیار کئے۔ لوگوں کو جاگیریں، معافیاں، روزینے، مانے اور دوسرے وظائف ختم کر دیئے، اور رعایا کے ساتھ تا انصافی و بدسلوکی بھی کی۔ تفصیلات کے لئے سرسید کی کتاب "اسبابِ بغاوت ہند" دیکھئے۔

غرض ایک دو نہیں بہت سے اسباب تہ بہ تہ جمع ہوتے چلے گئے اور اصل میں یہی اسباب تھے اس بغاوت و جنگ کے جسے ۱۸۵۷ء کا غدر کہتے ہیں۔ لوگ یہ محسوس کر رہے تھے کہ ان کی عزت، معاش، اقتدار، علوم، کلچر غرض ہر چیز پر مختلف راستوں سے حملے کئے جا رہے ہیں۔ مگر ڈر سے چپ تھے۔ اس بارود کو سلگنے کے لئے ایک چنگاری کی ضرورت تھی۔ ایشیائی قوموں میں کوئی تحریک اسی وقت زور پکڑتی ہے جب اس میں کچھ مذہبی جذبات کا عنصر بھی شامل کر دیا جائے۔ مادّہ تو تیار ہی تھا۔ غضب یہ ہوا کہ کارتوس کے قصّے نے اس بارود کو دیا سلائی دکھا دی۔ ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کا واقعہ ہے کہ میرٹھ کی چھاؤنی میں دفعدار محمد شفیع لکھنوی نے فوج میں یہ اشغولہ چھوڑ دیا کہ جو کارتوس مسلمان فوجیوں کو مہیا کئے جاتے ہیں اس کے فیتے میں سؤر کی چربی ہوتی ہے اور جو ہندوؤں کو سپلائی کئے جاتے ہیں اس کے فیتے میں گائے کی چربی ہوتی ہے۔ اس طرح دونوں کے مذہب کو ناس کیا جاتا ہے۔ اس وقت کارتوس کے فیتے کو دانتوں سے نوچ کر بندوق بھری جاتی تھی۔ اس خبر کو سن کر تمام ہندو مسلمان جو مذہب کے دلدادہ تھے مشتعل ہو گئے۔ منگل پانڈے نامی ایک سپاہی سے ایک انگریز افسر کی جھڑپ بھی ہو گئی۔ جس کے نتیجے میں منگل پانڈے مارا گیا اور فوج میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا اور انگریز قتل کئے جانے لگے۔ اس دوران میں میرٹھ کی اس فوج کو رسالدار حسن علی بریلوی اپنی سرکردگی میں لے کر دہلی آ گئے اور ان سب جاں نثاروں کے اصرار پر بہادر شاہ نے اپنی شاہنشاہی کا اعلان کر دیا۔ بریلی سے جنرل بخت خاں بھی آ گئے۔ اور بہادر شاہ نے انہیں اپنی فوج کا سپہ سالار مقرر کر دیا۔

اب ذرا دوسری طرف کا حال سنئے ——— جنوبی ہند میں ایک چھوٹی سی ریاست تھی جس کا نام چینا پٹن تھا۔ یہاں کے نواب کے ایک صاحبزادے تھے جن کا نام تھا احمد اللہ شاہ۔ بادشاہ گولکنڈہ یعنی ابوالحسن تانا شاہ ان کے اجداد میں تھے۔

اور یہ خود ٹیپو سلطان کے مصاحب بھی رہے ہیں۔ ان کے اندر چند ایسی خصوصیات تھیں جو کسی ایک شخصیت میں مشکل سے جمع ہوتی ہیں۔ پہلی خصوصیت تو یہ تھی یہ علوم دینیہ کے عالم و فاضل تھے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان کی تمام کارگزاریوں کی محرک اوّل دینی اسپرٹ ہی تھی۔ علوم دینیہ کے ساتھ فنِ حرب بہت کم جمع ہوتا ہے۔ لیکن مولانا احمد اللہ شاہ کی یہ خصوصیت قابلِ ذکر ہے کہ انہیں علوم دینیہ کے ساتھ فنونِ حرب میں بھی خاصہ دخل تھا۔ غالباً اسی لئے ان کا لقب "دلاور جنگ" تھا۔ پھر تیسری خصوصیت یہ تھی کہ بہت سے مشرقی و مغربی ملکوں کی اُنہوں نے سیر کی تھی جس کی وجہ سے ان کے اندر سیاسی بصیرت بھی پیدا ہوگئی اور زندگی کے دوسرے تجربے بھی حاصل ہو گئے تھے۔ ورنہ سپاہیانہ زندگی کے ساتھ سیاسی بصیرت کم تر جمع ہوتی ہے۔ مولانا احمد اللہ کی بڑی خوش قسمتی یہ تھی کہ انہیں ایک مردِ مجاہد مربّی مل گیا جو مردِ قلندر بھی تھا۔ ان کا نام تھا محراب شاہ گوالیاری۔ اُنہوں نے احمد اللہ شاہ سے اس بات کی بیعت لی کہ اسلام کی سربلندی اور انگریزی اقتدار کے خاتمے کے لئے جان کی بازی لگا دیں گے۔ اس بیعت کے بعد احمد اللہ شاہ دہلی آئے۔ پھر آگرے گئے۔ ہر جگہ اسی ایشوع پر لوگوں سے بیعت لیتے رہے۔ آگرے میں محکمۂ شرعیہ کے ایک سابق مفتی تھے مفتی انعام اللہ شہابی۔ ان کے ہاں احمد اللہ شاہ نے ایک علماء کی مجلس قائم کی جس میں بڑے بڑے جلیل القدر علماء نے شرکت کی۔ احمد اللہ شاہ کے مرید ہزاروں کی تعداد میں ہوئے۔ لیکن یہ محض ذکر و فکرِ صبحگاہی کے لئے بیعت نہیں لیتے تھے۔ بلکہ ہر ایک کو فنِ حرب کی تعلیم بھی لازماً دیتے تھے۔ سارے یو۔پی میں دورے کئے۔ اور اپنا انداز یہ رکھا کہ ظاہر میں صوفی اور باطن میں مجاہد۔ یہ دورہ کرتے ہوئے فیض آباد پہنچے۔ وہاں انگریزی سیاست نے ایک دوسرا گل کھلا دیا تھا۔ انگریزوں کی انگیخت پر بعض ہندوؤں نے ہنومان گڑھی کی بعض مساجد پر قبضہ کر لیا۔ اس پر امیر علی شاہ، مولوی غلام حسین اور محمد صالح وغیرہ نے جہاد کیا اور نتیجے میں غلام حسین اور محمد صالح بیراگیوں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ امیر علی وہاں سے لکھنؤ آئے اور نواب واجد علی کو مسلمانوں کی امداد پر اُبھارا مگر وہاں شمشیر و سنان پر طاؤس و رباب غالب تھا کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ اتنا ہی ہوتا تو غنیمت تھا۔ مگر ہوا یہ کہ امیر علی شاہ وہاں سے اُٹھی آئے اور اعلانِ جہاد کر دیا۔ نواب واجد علی شاہ نے بہت سے مولویوں سے ان کے خلاف فتوے لیا جس کے نتیجے میں نہ فقط اتنا ہی ہوا کہ امیر علی شاہ شہید ہو گئے بلکہ احمد اللہ شاہ گرفتار ہو گئے اور نظر بند کر دئے گئے۔ ادھر ۵۷ء کا مشہور غدر شروع ہو گیا تھا اور اس سلسلے میں وہ جیل خانہ توڑ دیا گیا جس میں احمد اللہ شاہ قید تھے جیل خانے سے نکل کر احمد اللہ شاہ نے ہزاروں معتقدوں کو اپنے گرد جمع کر لیا اور لکھنؤ پر دھاوا بول دیا۔ آدھے لکھنؤ پر قبضہ ہو گیا اور گیارہ سال کے لڑکے برجیس قدر کو تخت پر بٹھا دیا۔ کیونکہ انگریزوں نے نواب واجد علی شاہ کو اودھ کی حکومت سے بے دخل کر کے کلکتے پہنچا دیا تھا۔ اس وقت حضرت محل نائب السلطنت مقرر ہوئیں اور اُنہوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی سے خوب خوب مقابلے کئے۔ اُحمد اللہ شاہ حضرت محل کے ایسے معتمد علیہ قوّتِ بازو تھے کہ وہ ان کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہ کرتی تھیں۔ حضرت محل کا ایک اور معتمد علیہ بھی تھا جس کا نام ممتو خاں تھا۔ اس کی وجہ سے ایک بڑا المیہ ہوا جس کا

ذکر آگے آئے گا۔

مولانا احمد اللہ شاہ نے فوجی زندگی کو از سرِ نو زندہ کیا۔ سپاہیانہ زندگی کا احیاء تو بہت جگہ ہوتا ہے لیکن ایسی جگہ یہ کام بہت مشکل تھا جہاں طاؤس و رباب شمشیر و سناں کی جگہ لے چکا ہو۔ بہر حال احمد اللہ شاہ نے ہزاروں مسلمانوں کو دین کی خاطر اور ہزاروں غیر مسلموں کو وطن کے دفاع کے لئے اسلحہ بند کر دیا۔ اور ۲۱ رجولائی ۱۸۵۷ء کو بیلی گارڈ پر بے پناہ حملہ کر دیا۔ بیلی گارڈ ایک قلعہ بند عمارت تھی جس میں انگریزی فوج اور اسلحہ وغیرہ رکھے گئے تھے۔ اس وقت احمد اللہ شاہ کی شہرت دور دور ہو گئی تھی۔ چنانچہ دہلی اور روہیلکھنڈ تک سے وہ لوگ سمٹ سمٹ کر لکھنؤ آنے لگے جو اب تک کسی مجبوری یا تذبذب کے سبب رُکے ہوئے تھے۔ باہر کے یہ تمام آنے والے احمد اللہ شاہ کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے۔ جنرل بخت خاں، روہیلہ شہزادہ فیروز شاہ دہلوی، مولوی لیاقت علی الہ آبادی، ڈاکٹر وزیر خاں، مولوی فیض احمد بدایونی، حکیم سید محمد داؤد حکیم آبادی وغیرہ سب ان کے گرد جمع ہو گئے حتیٰ کہ جب نانا راؤ کو انگریزوں نے شکست دی تو وہ بھی لکھنؤ آ گئے۔ احمد اللہ شاہ کے کہنے سے حضرت محل نے تمام لوگوں کا خاطر خواہ خیر مقدم، خاطر مدارات اور حوصلہ افزائی کی۔ اور سب نے مل کر بڑی بڑی لڑائیاں لڑیں۔

ہماری تاریخ کا یہ حصّہ بہت ہی المناک ہے کہ اہلِ اسلام کو جب بھی کہیں شکست ہوئی ہے تو اس کا سب سے بڑا سبب آپس کی پھوٹ، مذہبی اختلاف، خود غرضی اور باہمی رقابت وغیرہ ہوئی ہیں۔ لکھنؤ کے جہاد کا ڈرامہ بھی اسی طرح ختم ہوا۔ مہاراجہ بالکشن نے حضرت محل کو بڑے خیر خواہانہ اور وفادارانہ انداز سے یہ مشورہ دیا کہ تعلقہ داروں کو ان کے علاقوں میں بھیج دیا جائے تاکہ وہ کچھ تحصیل وصول کر کے لائیں۔ ظاہر ہے کہ اُس پُرفتن دور میں وہ تنہا تو جا نہ سکتے تھے۔ اس لئے ہر ایک کے ساتھ اس کی اپنی فوج بھی چلی گئی اور مرکزِ لکھنؤ فوجی لحاظ سے کمزور ہو گیا۔ مگر احمد اللہ شاہ کو اس کی کوئی پرواہ نہ ہوئی۔ اُنہوں نے اپنی جنگ جاری رکھی شکست کی اب بھی کوئی وجہ نہ تھی۔ مگر ممّو خاں نے، جس کا اوپر بھی ذکر ہوا ہے شیعہ سنّی فیلنگ پھیلا دی اور معاملات بگڑ گئے۔ حضرت محل لکھنؤ سے شاہ جہاں پور روانہ ہو گئیں۔ اس کے باوجود احمد اللہ شاہ ایک لاکھ فوجیوں کے ساتھ انگریزوں کا مقابلہ کرتے رہے۔

نواب خان بہادر خان نے انہیں بریلی آنے کی دعوت دی اور وعدہ کیا کہ پچاس ہزار روہیلوں کو آپ کی ماتحتی میں دیں گے۔ احمد اللہ شاہ پہلے شاہ جہان پور روانہ ہو گئے کیونکہ بریلی جانے کا یہی راستہ تھا۔ یہاں محمدی پور میں اسلامی حکومت قائم کر لی۔ شہزادہ فیروز شاہ اور نانا راؤ کو اپنا وزیر مقرر کیا، اور جنرل بخت خاں کو کمانڈر بنا دیا۔ اور سکّہ احمد اللہ شاہ کے نام کا جاری ہو گیا جس کا اشارہ اس شعر میں ہے ؎

سکّہ زد بر ہفت کشور خادمِ محراب شاہ
حامئی دینِ محمدؐ احمد اللہ بادشاہ

لیکن ان کے وزیر فیروز شاہ اپنی حکومت قائم کرنے کی فکر میں تھے۔ باہمی اختلافات نے احمد اللہ شاہ کو یہاں بھی نہ رہنے دیا۔ واقعہ یوں ہوا کہ پوائین کے راجہ بلدیو سنگھ نے اپنی گڑھی میں آنے کی دعوت دی۔ احمد اللہ شاہ کو کسی سازش کا علم نہ تھا۔ انہوں نے بلدیو سنگھ پر اعتماد کیا اور روانہ ہو گئے۔ قلعے یا گڑھی میں داخل ہوتے ہی دروازہ بند کر لیا گیا۔ احمد اللہ شاہ ہاتھی پر سوار چلے جا رہے تھے کہ دفعتہً ان پر حملہ کر دیا گیا۔ گولیوں کی بوچھاڑ شروع ہو گئی۔ واپس جانے کا کوئی راستہ نہ تھا کیونکہ دروازہ بند ہو چکا تھا۔ بھاگنا یوں بھی ان کی فطری مردانگی کے خلاف تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہیں گولی کھا کر شہید ہو گئے۔ یہ ذوالقعدہ ۱۲۷۴ھ (۱۸۵۸ء) کا واقعہ ہے۔ کسی کا مارا جانا تو کوئی ایسی بات نہیں لیکن مزید ظلم یہ کیا گیا کہ ان کی لاش کو نذرِ آتش کیا گیا اور سر کاٹ کر کوتوالی کے دروازے پر لٹکا دیا گیا۔ راجہ پوائین کو اس پُرفریب خدمت کے عوضانے میں مبلغ پچاس ہزار روپیہ نقد انعام دیا گیا۔ (مفصل حالات حیاتِ دلاور جنگ میں درج ہیں)۔ یہ ہے مختصر سا ذکر مولانا احمد اللہ شاہ کا۔ یہ دھوکے سے مار تو دیئے گئے لیکن اس موت نے انہیں زندۂ جاوید بنا دیا۔ کہتے ہیں کہ الفضل ماشہدت بہ الاعداء۔ فضیلت تو وہ ہے جس کی گواہی دشمن بھی دے۔ یہ گواہی ایک انگریز جنرل طامس کی ہے جو ۵۷ء کی جنگ میں بذاتِ خود شریک تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ:

"احمد اللہ شاہ بڑی لیاقت و قابلیت کا آدمی تھا۔ خوف اس کے نزدیک نہ آتا تھا۔ عزم کا پکا اور ارادے کا مستقل تھا۔ باغیوں میں اس سے بہتر کوئی سپاہی نہ تھا۔ یہ فخر اسی کو حاصل ہے کہ اس نے سر کالن کیمبل کو میدانِ جنگ میں شکست دی۔ وہ دوسرے باغیوں کی بہ نسبت خطاب شاہی کا زیادہ مستحق تھا۔ وہ یقیناً اپنے ملک کا محبِ صادق تھا۔ اس نے اپنی تلوار کو کبھی مخفی اور سازشی قتل سے آلودہ نہیں کیا۔ وہ بہادرانہ اور باعزت طریقے سے ان لوگوں سے برسرِ پیکار رہا جنہوں نے اس کا ملک چھین لیا تھا۔ دنیا کی ساری توپیں اس کو اس کی شجاعت و صداقت کے عوض اسے بہت ادب و تعظیم سے یاد کریں گی اور وہ اس کا مستحق تھا۔"

اسلام کی بنیادی حقیقتیں

مصنفہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم و دیگر رفقائے ادارہ

قیمت دو روپے ۸ آنے

تہذیب و تمدن اسلامی

مصنفہ رشید اختر ندوی

قیمت حصہ اوّل ۵ روپے۔ دوم ۶ روپے ۸ سوم ۵ روپے ۱۲ ر

منیجر ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور

مطبوعاتِ بزمِ اقبال

مجلہ اقبال - مدیر:- ایم۔ ایم شریف - بشیر احمد ڈار۔

سہ ماہی اشاعت - دو انگریزی۔ دو اردو شماروں میں قیمت دس روپے۔ صرف اُردو یا انگریزی پانچ روپے۔

میٹا فزکس آف پرشیا	مصنفہ علامہ اقبال	۵-۰-۰
امیج آف دی وسٹ ان اقبال	مصنفہ مظہرالدین صدیقی	۲-۰-۰
اقبال اینڈ والنٹرزم	مصنفہ بشیر احمد ڈار	۶-۰-۰
ذکرِ اقبال	مصنفہ مولانا عبدالمجید سالک	۵-۰-۰
اقبال اور ملّا	مصنفہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم	۰-۱۲-۰
مکاتیب اقبال	بنام خان محمد نیاز الدین خان مرحوم	۱-۴-۰
تقاریر یومِ اقبال	۱۹۵۷ء	۱-۴-۰
علامہ اقبال	مترجمہ صوفی غلام مصطفٰے تبسّم	۱-۸-۰

فکرِ اقبال

از ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم

یہ بلند پایہ تصنیف اقبالیات میں گراں قدر اضافہ ہے جس میں حضرت علامہ اقبالؒ کی شاعری اور فلسفہ کے ہر پہلو کی نہایت دلنشیں اور حکیمانہ انداز میں تشریح کی گئی ہے۔ قیمت دس روپے۔

ملنے کا پتہ :- سکرٹری بزمِ اقبال۔ نرسنگداس گارڈن۔ لاہور